

بے گھر لوگ

دن اور رات کے لاہور میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہر شہر کا ویسے یہی حال ہے۔ مگر لاہور میں اگر آپ صح کے وقت چند علاقوں میں جائیں تو آپکو ایک دردناک نظارہ ہر جانب سفا کی سے نظر آئے گا۔ درجنوں نہیں، سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ آپکو فٹ پاٹھ، باغات، سڑک کے کنارے دنیا سے بے نیاز سوتے نظر آئیں گے۔ یہ بد نصیب لوگ اپنی مرضی یا کسی خوشی کے تحت مشکل جگہوں پر نہیں سوتے، بلکہ بنیادی طور پر یہ بے گھر لوگ ہیں۔ کسی بھی چھت کے بغیر، انہائی غریب لوگ۔

فیروز پور روڈ پرمیٹر بس کے نیچے پھری لی اینٹوں کے فرش پر یہ مفلس لوگ ہر طرف سوئے نظر آتے ہیں۔ داتا دربار کی طرف جائیں تو انکی تعداد میں ہولناک اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یادگار پاکستان کے اردو گردبھی یہ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں دکھائی دیں گے۔ لاہور کی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں آپکو انسانیت سوز منظر نظر نہ آئے۔ بہاؤ پور ہاؤس سے باہر نکلتے ہوئے ان لوگوں کو روز دیکھنا ایک تکلیف دہ کام ہے۔ مگر مجھے یہ دکھ روز برداشت کرنا پڑتا ہے۔ صح کے وقت ڈریفک نسبتاً کم ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو غور سے دیکھنا بہت ضروری مگر کافی کھٹن ہے۔ یہ ہمارے جیسے ہی انسان ہیں۔ گوشت پوست کے انسان۔ جنہیں سردی بھی لگتی ہے اور گرمی بھی۔ جنہیں خوشی بھی ہوتی ہے اور تکلیف بھی۔ جن کے آنسو بھی ہمارے جیسے ہیں اور الہم بھی۔ آج سے پہلے پہیں برس پہلے سینہ ٹھان کر کہا جاتا تھا کہ پاکستان میں کوئی بھی شخص فٹ پاٹھ پر نہیں سوتا۔ کوئی فاقہ کشی کے باعث بر باد نہیں ہوتا۔ ہندوستان کا بیان منفی انداز سے کیا جاتا تھا کہ وہاں لاکھوں لوگ فٹ پاٹھ پر سونے پر مجبور ہیں۔ غربت انکے ساتھ وہی سلوک کرتی ہے جو اس بلا کا اصل مقصد ہے۔ انکی شادیاں بھی فٹ پاٹھ پر ہوتی ہیں اور اموات بھی۔ مگر اب دونوں ہمسایہ ملکوں میں یہ تفریق ختم ہو چکی ہے۔ غربت کا جن وہاں بھی لوگوں کو کھارہا ہے اور یہاں بھی اسکا یہی وطیرہ ہے۔ جذباتیت کے بغیر ہمارا سب سے بڑا مسئلہ اور دشمن غربت ہے۔

ان لوگوں پر حد درجہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انہیں کوئی بھی غور سے دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ یہ ہزاروں یالاکھوں انسان، اپنی اپنی جگہ بے بُسی کی داستانیں ہیں۔ ایسی سچی کہانیاں جنکے سامنے طسم ہو شر با بھی پڑ جائے۔ فیروز پور روڈ اور جیل روڈ کے ملاپ پر کئی درجن لوگ صح تک سوئے رہتے ہیں۔ ایک شخص کوئی مہینوں سے دیکھ رہا ہو۔ وہ اینٹ کے اوپر پرانے اخبار کا غلاف چڑھاتا ہے۔ کئی اخبار تھے کر کے چڑھانے سے اینٹ ایک تکیہ سا بن جاتی ہے۔ یہ تکیہ کتنا آرادہ دہ ہو سکتا ہے۔ اسکا جواب آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اینٹ تو بہر حال اینٹ ہے۔ اس جفا کش تکیہ کے ساتھ اس نے دو تین بوریاں جوڑ کر ایک نمدہ سا بنالیا ہے۔ سخت بوریوں کا یہ تھہ دار بستر اصل میں کتنا آرام دہ ہو گا؟ وہ شخص اینٹ کے تکیے پر سر کھکھ کر، کھر درے بستر پر بے خبر سویا ہوتا ہے۔ اسکا تمام سامان، ایک پیلے پلاسٹک کے بیکار سے تھیلے میں اینٹ کے تکیہ کے ساتھ پڑا ہوتا ہے۔ لگتا ہے کہ وہ صدیوں کی تھکن سے بے حال ہو کر سویا ہوا ہے۔ اسکے اردو گرد ڈریفک چلتی رہتی ہے مگر اسکے کا نوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ آٹھ بجے صح کے قریب بوریاں اور اینٹ ایک نزدیکی دکان کے تھڑے کے نیچے رکھتا ہے اور وہاں سے چلا جاتا ہے۔ مگر جہاں بھی جاتا ہے، رات گئے پھر واپس اپنی جگہ پر آ کر سو جاتا ہے۔ اہم بات یہ بھی ہے کہ

اسکی مختص جگہ پر رات کو کوئی بھی نہیں سوتا۔ نا انسان اور نہ ہی کوئی جانور۔

میرولس کے جنگل کے دوسری طرف پانچ چھ لوگ سوئے ہوتے ہیں۔ یہ پہلے شخص سے زیادہ آسودہ حال نظر آتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی بوریوں کا گد انہیں بناتا۔ ان میں سے دوا شخص تو ایک باریک سے گدیلہ پر آرام کر رہے ہو تے ہیں۔ باقی لوگ چادر بچھا کر خواب بخرا گوش کے مزے لیتے نظر آتے ہیں۔ آسودہ حال اسلیے کہہ رہا ہوں کہ ان میں اکثر کے پاس ایک سے زیادہ پلاسٹک کے تھیلے ہوتے ہیں۔ انہیں زمین پر نہیں رکھتے۔ بلکہ لوہے کے جنگل کے ساتھ ڈوریوں سے باندھ لیتے ہیں۔ کئی بارک کردیکھتا ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ انکی گہری نیند اور فائیو سٹار ہوٹل کے آرام دہ کمرے کی نیند میں کوئی فرق نہیں۔ قیاس ہے کہ آرام دہ کروں کے قیمتی گدوں سے بہتر نیند سوتے ہیں۔ زندگی نے دکھایا تو یہی ہے کہ جہاں بہت زیادہ عیش و عشرت کا ماحول ہوتا ہے، وہاں قدرتی نیند سب سے پہلے غالب ہو جاتی ہے۔ آسودہ حال لوگوں کی اکثریت نیند کی گولیاں لیکر سونے پر مجبور ہے۔ مگر مزنگ کے فٹ پاتھ پر سوئے ہوئے لوگ کسی گولی کے محتاج نہیں۔ یہ عملی طور پر پختہ فٹ پاتھ پر آرام سے سوتے نظر آتے ہیں۔ پہلے گمان تھا کہ یہ لوگ منشیات کے مارے لوگ ہیں۔ شائد چند فیصد ہوں بھی۔ مگر انکی واضح اکثریت مزدور، مسافروں اور بے روزگاروں کی ہوتی ہے۔ یہ بے نام، گمنام اور غریب لوگ صرف سانس لیتے ہیں۔ کوئی انکی مد کو نہیں آتا۔ بہت مہربانی کرنی ہوتا کوئی کھانا کھلادیتا ہے۔ آتے جاتے شائد کچھ پسیے بھی تھما جاتا ہے۔ مگر کسی بھی ریاستی سطح پر ان لوگوں کا کوئی والی وارث نہیں۔

جیسے جیسے آپ داتا دربار کی طرف جاتے ہیں، ان مفلوک الحال لوگوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ بنیادی وجہ صرف ایک ہے۔ دربار پر لنگر کی تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ سینکڑوں لوگ پلاسٹک کے لفافے لیکر لنگر کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تھیلے بھرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دھکے دے دیکر پیچھے ہٹاتے ہیں۔ جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ کر غراتے بھی ہیں۔ قطار کے آخری حصے میں کمزور لوگ ہوتے ہیں جو اس چھینا جھٹی میں ضعف ہونے کے باعث حصہ نہیں لیتے۔ سب کچھ دیکھنے کے بعد آرام سے کسی کونہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی دوسرا شخص لنگر لیکر آتا ہے اور بڑے سے کفاری کو دیگر پر خاص طریقے سے مارتا ہے۔ اس آواز سے ارگرد کے مفلس لوگوں میں ایک جادوئی طاقت آ جاتی ہے۔ دوڑتے ہوئے سب سے پہلے دیگر کی طرف بھاگتے ہیں کہ کھانا ختم نہ ہو جائے۔ یہ المناک مناظر سارا دن تسلسل کے ساتھ جاری رہتے ہیں۔ ان بد قسمت لوگوں میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں۔ سنجیدگی سے دیکھا جائے تو داتا دربار ایک عظیم الشان این۔ جی۔ او ہے جو غریبوں کو مفت کھانا کھلانے کے کام میں مصروف ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ ریاست کا کام نہیں کہ اپنے ملک میں ہر غریب کے نان و نفع کا باعزت انتظام کرے۔ مگر صاحب، یہاں کون غریب کی طرف دیکھے گا بلکہ کیوں دیکھے گا۔ امیر تو چند دیکھیں بانٹ کر اپنے فرض سے بری الرمہ ہو جاتا ہے۔ کالے دھن کو اپنے ذہن میں سفید کر لیتا ہے۔ شائد کچھ اور نیک کام بھی کر لیتا ہو۔ مگر مستقل بنیادوں پر ان غریب لوگوں کا کوئی وارث نہیں ہے۔ پہنچنیکی اور ثواب کی اصل کسوٹی کیا ہے۔ یہ تو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ مگر کالے دھن سے چند لوگوں کو کچھ گھٹتے کیلئے آسودہ کر دینا، کیا واقعی ثواب ہے۔ میرے پاس اتنے مشکل سوال کا کوئی جواب نہیں۔ بہر حال کئی لوگ درباروں پر اپنے رزق حلال سے بھی عام لوگوں میں لنگر تقسیم کرتے ہیں۔ بلکہ

آسانیاں تقسیم کرتے ہیں۔

اقوام متحده کی مستندر پورٹ کے مطابق وطن عزیز میں دو کروڑ لوگ بے گھر ہیں۔ انکے سر پر کوئی چھت نہیں۔ کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں، کوئی سائبان نہیں۔ ملکی رپورٹ میں دو کروڑ کے ہندسے کوئی نہیں مانتے۔ مقامی تحقیقاتی اداروں کے نزدیک یہ تعداد اسی لاکھ سے لیکر ایک کروڑ تک ہے اور یہ پورے ملک کی تعداد ہے۔ بہر حال تعداد کے اندر فرق ہو سکتا ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ کروڑ یا کروڑوں لوگ بے گھر بھی ہیں اور بے آسرا بھی۔ آپکو سن کر شائد حیرت ہو، کہ یہ وہ افراد ہیں جو کسی قسم کی رہائش کے مالک نہیں ہیں۔ ان میں کچھ آبادیوں میں رہنے والے لوگ قطعاً شامل نہیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جو دوسرے تین ہزار روپے کا چھوٹا سا کمرہ بھی کراچی پر لینے سے قاصر ہیں۔ ان لوگوں کے مسائل بے حد پیچیدہ مگر آسان سے ہیں۔ اصل وجہ غربت ہے، مہنگائی ہے، بے روزگاری ہے۔ اس میں دہشت گردی کے خلاف جنگ بھی شامل ہے۔ فاٹا اور دیگر علاقوں سے جو مظلوم لوگ جنگ کی وجہ سے بے گھر ہوئے ہیں، وہ سارے امیر یا آسودہ حال نہیں ہیں۔ ان میں غریب لوگوں کی اکثریت ہے۔ یہ لوگ در بذریعہ کھار ہے ہیں۔ انکی تعداد بھی لاکھوں میں ہے۔ اسکے علاوہ آبادی کا املاکتا ہوا بھر پور سیلا بھی لوگوں میں معاشی تقسیم کے حوالے سے عدم استحکام پیدا کر رہا ہے۔

دنیا کے مہذب ممالک میں دیکھیں۔ امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک میں بھی بے گھر لوگ موجود ہیں۔ مگر ریاست پوری کوشش کرتی ہے کہ انکے مسائل حل کرے۔ انکو سرکاری فنڈ سے مہینہ کا خرچ مہیا کیا جاتا ہے۔ حکومت انہیں چھوٹے چھوٹے گھر فراہم کرتی ہے۔ مفت علاج معالجہ کی سہولت بھی موجود ہے۔ مگر یہ بات بھی اہم ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی سو فیصد کام تسلی بخش نہیں ہے۔ وہاں این۔ جی۔ او اور جنی شعبہ بڑھ چڑھ کر بے آسرا لوگوں کی مدد کرتا ہے۔

پاکستان میں غربت کا ایک سفاک سیلا ب ہے۔ یہ کروڑوں لوگوں کو بہا کر لے جا رہا ہے۔ یہ مختلف الحال لوگوں سے ہر چیز چھین رہا ہے۔ انکی خوشیاں، انکی زندگی، انکا حال اور انکا مستقبل۔ یہاں کسی میں اتنی سکت نہیں کہ بے گھر لوگوں کے متعلق سنجیدگی سے سوچے۔ بے گھر لوگ تو خیر بد قسمتی کی معراج پر ہیں۔ یہاں تو کوئی بھی عام آدمی کی صورت حال کو بہتر کرنے کیلئے فکر مند نظر نہیں آتا۔ اگر واقعی ملک میں بے مثال ترقی ہو رہی ہے تو فٹ پاتھ اور باغوں میں ایسٹ کا تکیہ بنانے کا کرسونے والاں کی تعداد میں اس قدر اضافہ کیوں ہو رہا ہے۔ ان بے مقدار لوگوں کے متعلق کوئی بات کیوں نہیں کرتا۔ گمان ہے کہ یہاں اکثر غریب لوگ سڑکوں اور فٹ پاتھ پر ہی پیدا ہونگے، وہیں پل بڑھ کر جوان ہونگے، وہیں شادیاں ہونگیں اور وہیں کسی دن دم توڑ دینگے۔ یہ مستقبل کیوں ہمیں نظر نہیں آ رہا۔ ان مظلوم لوگوں کو اگر آپ گھر نہیں دے سکتے، تو چلیے سمندر میں دھکا ہی دے دیں۔ کم از کم یہ خدا کے سامنے جا کر کوئی شکایت تو کر سکیں گے۔ یہاں تو انکی بات کوئی نہیں سنتا۔